پروفیسر محمد اسلم

داراشکوہ کے مذہبی رجحانات

داراشکوہ کی تصانیف کے مطالعہ سے یہ مترشح ہوتا ہے کہ اوائل عمر میں وہ بڑا راسخ العقیدہ مسلمان تھا اور شریعت کی بڑی تعظیم و تکریم کیا کرتا تھا۔ جب ۱۰۴۹ھ میں داراشکوہ نے اپنی اوّلین کتاب سفینۃ الاولیاء لکھی تو اس نے دیباچے میں اپنا نام بڑے عجز و انکسار کے ساتھ "فقیر حقیر محمد داراشکوہ حنفی قادری" تحریر کیا تھا۔[۱] اسی دیباچے میں اس نے "حضرت سرورِ کائنات بہترین موجودات صلی اللہ علیہ وسلم" کے "چہار یار بزرگوار" کی دوستی کو خدا اور اس کے رسولؐ کی دوستی اور ان کی دشمنی کو خدا اور اس کے رسولؐ کی دشمنی پر محمول کیا ہے۔ اسی طرح داراشکوہ ائمہ اربعہ کو "چہار دیوار خانۂ اسلام و مقتدای فرق انام" کے القاب سے یاد کرتا ہے۔ اسی دیباچے میں اس نے اہلِ بیت کو بھی صمیم قلب سے خراجِ عقیدت پیش کیا ہے۔[۲]

سفینۃ الاولیا کی تصنیف کے بعد داراشکوہ ہمہ تن کتبِ تصوف کے مطالعہ میں مشغول ہو گیا۔ ۱۰۵۰ھ میں اس کا یہ شوق خضرِ راہ بن کر اسے حضرت میاں میر لاہوری کے خلیفہ حضرت ملّا شاہ بدخشی کے آستانے پر لے گیا اور داراشکوہ نے ان کی روحانیت اور زہد و تقویٰ سے متاثر ہو کر ان کے ہاتھ پر قادریہ سلسلہ میں بیعت کر لی۔ اس واقعہ کے دو سال بعد داراشکوہ نے سکینۃ الاولیاء کے عنوان سے ایک کتاب تحریر کی جس میں حضرت میاں میر لاہوریؒ، ان کے خلفا اور نامور مریدوں کے سوانح حیات مندرج ہیں۔ اس کتاب کے آغاز میں داراشکوہ رقم طراز ہے کہ وہ ہمیشہ خدا تعالیٰ کے حضور میں یہی دعا کیا کرتا تھا کہ وہ اسے معرفت کا جام پلا کر اپنے دوستوں میں شامل کر لے اور اُسے غیر اللہ سے بے نیاز کر دے۔ جب وہ پچیس سال کا ہوا تو خدا تعالیٰ نے اس کی یہ دعا سن لی اور خواب میں ہاتف نے اسے چار بار یہ بشارت دی:

---

[۱] داراشکوہ، سفینۃ الاولیا، مخطوطہ برٹش میوزیم لندن، اورینٹل ۲۲۴، ورق ۱ ب [۲] ایضاً

آنچہ ہیچ یکے از بادشاہان روئی زمین میسر نشدہ آن را خدائے تعالیٰ بتو داد ۔[۴۳]

روئے زمین کے بادشاہوں میں سے کسی کو یہ چیز میسر نہیں ہوئی جو خدا تعالیٰ نے تجھے عطا کی ہے۔

داراشکوہ نے جادۂ تصوف پر گامزن ہوتے ہی بڑی سرعت کے ساتھ مقاماتِ سلوک طے کرنے شروع کیے۔ وہ اپنی تصنیف سکینۃ الاولیا میں رقم طراز ہے کہ جتنے مقامات ایک عام سالک ایک ماہ میں طے کرتا ہے وہ اس نے ایک ہی شب میں طے کر لیے تھے اور جو مقام ایک عام سالک کو سال بھر کی ریاضت کے بعد حاصل ہوتا ہے وہ اس نے ایک ماہ میں حاصل کر لیا تھا اور جتنی منزلیں ایک عام سالک سالہا سال کی محنت اور ریاضت کے بعد طے کرتا ہے وہ اس نے بغیر کسی ریاضت کے محض خدا کے فضل سے طے کر لی تھیں ۔[۴۴]

داراشکوہ کے اس بیان پر تبصرہ کرتے ہوئے بھارت کے نامور مؤرخ سید صباح الدین عبدالرحمٰن لکھتے ہیں :

گو ہم دارا کے صوفیانہ عقائد سے بحث کرنا نہیں چاہتے لیکن یہ کہنا مناسب معلوم نہیں ہوتا کہ دارا نے جس عجلت اور تیزی سے راہ سلوک کی منزلیں طے کیں وہ ہندوستان کے صوفیائے کرام میں سے کسی اور نے نہیں کیں ۔ حضرت خواجہ معین الدین چشتیؒ نے بیس سال تک اپنے مرشد کے پاس رہ کر ریاضت کی اور برسوں سمرقند، بغداد، ہمدان، تبریز، استرآباد، سبزوار، حصار، بلخ اور ہندوستان وغیرہ کی بادیہ پیمائی کرنے کے بعد راہِ سلوک کی منزلیں طے کر سکے ۔ حضرت بختیار کاکیؒ بیس برس تک رات کو مطلق نہ سوئے۔ حضرت فرید الدین گنج شکرؒ نے اتنے مجاہدے کیے کہ ایک بار حضرت معین الدین چشتیؒ ان کے حجرے میں تشریف لائے تو وہ ضعف سے ان کی تعظیم کے لیے کھڑے نہ ہو سکے ۔ حضرت شرف الدین یحییٰ منیریؒ نے ۳۰ سال تک جنگلوں میں عبادت کی، اس لیے دارا کا یہ لکھنا کہ اس نے یکبارگی "سب کچھ" حاصل کر لیا، مضحکہ خیز معلوم ہوتا ہے ۔[۴۵]

---

۴۳ ۔ داراشکوہ، سکینۃ الاولیا، مخطوطہ برٹش میوزیم لندن، اورینٹل ۲۲۳، ورق ۴ الف، ۵ ب ۔

۴۴ ۔ ایضاً، ورق ۵ ب

۴۵ ۔ سید صباح الدین عبدالرحمٰن، بزم تیموریہ، مطبوعہ اعظم گڑھ ۱۹۴۸ء، ص ۳۳۹ ۔ ۳۴۰ ۔

ملا شاہ بدخشی کی بیعت کے بعد دارا شکوہ وحدت الوجود سے روشناس ہوا اور اس نے اس عہد کے نامور وحدت الوجودی صوفیوں مثلاً سرمد، شاہ دل ربا اور محب اللہ الٰہ آبادی سے تعلقات قائم کر لیے اور ان سے باقاعدہ خط و کتابت شروع کر دی۔ ان ایام میں دارا شکوہ خود کو کسی بزرگ سے کم نہیں سمجھتا تھا اور اس کے مصاحبین نے اسے یہ باور کرا دیا تھا کہ وہ "خدا آگاہ" ہے[۵۶] انہی ایام میں اس کی بہن جہاں آرا بیگم نے مونس الارواح کے نام سے ایک کتاب لکھی جس کے آغاز میں وہ دارا شکوہ کو "صاحب باطن و ظاہر" کے لقب سے یاد کرتی ہے[۵۷]

۱۰۵۶ھ میں جب دارا شکوہ نے رسالہ حق نما لکھنا شروع کیا تو وہ صحیح معنوں میں ایک صوفی بن چکا تھا۔ اُن دنوں میں وہ اپنی تصانیف میں "اسلام مجازی" اور "کفرِ حقیقی" کی اصطلاحات استعمال کرنے لگا تھا۔ وہی شہزادہ جو کبھی خود کو "حنفی قادری" کہلانا باعثِ فخر سمجھتا تھا اب وہ خود کو "زنار پوش" اور "بت پرست" بلکہ "خود پرست" اور "دیر نشین" کہلانے میں فخر محسوس کرتا تھا۔ دارا شکوہ اپنے ایک خط میں شاہ دلربا کو لکھتا ہے:

الحمد للہ، الحمد للہ کہ از برکت صحبت این طائفہ شریفہ مکرمہ معظمہ از دلِ این فقیر اسلام مجازی برخاست و کفرِ حقیقی رُو نمود۔ اکنون قدر کفرِ حقیقی دانستم زنار پوش و بت پرست بلکہ خود پرست و دیر نشین گشتم:

مسلمان گر بدانستے کہ بت چیست　　بدانستے کہ دین در بت پرستی است[۵۸]

مشہور بھارتی مؤرخ ڈاکٹر قانون گو رقمطراز ہے کہ دارا شکوہ علمیت اور تصوف کے میدان میں کوئی مبتدی نہ تھا بلکہ اس نے مذہب کا بڑا گہرا مطالعہ کیا تھا اور وہ اس حقیقت تک پہنچنے میں کوشاں تھا کہ اسے کوئی ایسا نکتہ مل جائے جس سے اسے کثرت میں وحدت اور مختلف مذاہب میں قدرِ مشترک مل جائے[۵۹]

---

۵۶ جوگ باششٹ، مخطوطہ انڈیا آفس لندن، ایتھے ۱۹۷۳، ورق ۲ الف۔

۵۷ جہان آرا بیگم، مونس الارواح، مخطوطہ برٹش میوزیم لندن، اوریئنٹل ۲۵۰، ورق ۶ الف

۵۸ نجیب اشرف، رقعات عالمگیری، مطبوعہ اعظم گڑھ ۱۹۳۰، ص ۳۲۲

۵۹ قانون گو، دارا شکوہ، (انگریزی) کلکتہ، ۱۹۳۵، ص ۱۳۴۔

رسالہ حق نما دارا شکوہ کی تیسری تصنیف ہے جو اس نے ۱۰۵۶ھ میں مکمل کی تھی۔ اس رسالہ کے دیباچہ میں دارا شکوہ لکھتا ہے کہ ۱۰۵۵ھ میں ماہ رجب کی آٹھویں تاریخ کو اُسے یہ القا ہوا کہ خدا تک پہنچنے کا بہترین ذریعہ قادریہ سلسلہ ہے۔ مزید براں اُسے یہ بھی حکم ہوا کہ وہ ان لوگوں کے لیے جو خدا تک پہنچنا چاہتے ہیں، ایک رسالہ قلمبند کرے، چنانچہ اسی کے حکم کے تحت اس نے یہ رسالہ لکھا ہے[10] رسالہ حق نما میں دارا شکوہ نے راہِ سلوک کی متعدد منزلوں کا ذکر کیا ہے اور خدا تک پہنچنے کے طریقے بھی بتلائے ہیں۔ اس رسالہ کے آغاز میں دارا شکوہ رقمطراز ہے کہ جب تک کسی قاری کو کسی خدا شناس کی صحبت میسر نہ ہو اس وقت تک وہ اسے پڑھنے کا قصد نہ کرے۔[11] دارا شکوہ چونکہ خود بھی وحدت الوجودی تھا اس لیے اس کتاب میں فتوحاتِ مکیہ، فصوص الحکم، لوائح اور لمعات کے حوالے عام ملتے ہیں۔

دارا شکوہ جن لوگوں کی صحبت میں اپنا وقت گزارتا تھا ان میں ملا شاہ بدخشی سرِ فہرست نظر آتے ہیں۔ ملا شاہ بدخشی بڑے وسیع المشرب بزرگ تھے اور صلح کل کے مسلک پر گامزن تھے۔ دارا شکوہ ان کے تقویٰ و پرہیزگاری کا ذکر کرتے ہوئے لکھتا ہے کہ انھوں نے شادی نہیں کی اور نہ ہی کبھی اپنے حجرے میں چراغ روشن کیا۔ دارا شکوہ اس پر شاہد ہے کہ اس کے مرشد تیس برس تک مطلق نہیں سوئے اور نہ ہی انھیں کبھی غسل جنابت کی حاجت پیش آئی ہے[12] ملّا شاہ جس طرح کی راہبانہ زندگی گزار رہے تھے اسلام نے اس طرح سے زندگی گزارنے کی اجازت نہیں دی۔

ملّا شاہ کے مریدوں میں کئی ہندو بھی شامل تھے۔ اس سے یہ مترشح ہوتا ہے کہ ان کا مرید ہونے کے لیے مسلمان ہونا ضروری نہیں تھا۔ محسن فانی اپنی شہرہ آفاق تصنیف دبستان مذاہب میں رقمطراز ہے کہ بنوی نامی ایک ہندو ملّا شاہ کا مرید تھا اور اس نے ۱۰۴۰ھ

---

[10] دارا شکوہ، رسالہ حق نما، مطبوعہ لکھنؤ ۱۸۸۱، ص ۳۳

[11] محفوظ الحق، انگریزی ترجمہ مجمع البحرین، کلکتہ ۱۹۲۹، ص ۹

[12] دارا شکوہ، سکینۃ الاولیاء، مطبوعہ تہران ۱۹۶۵، ص ۱۵۵، ۱۵۷، ۱۶۰۔

ہیں کشمیر میں قیام کے دوران مُلّا شاہ کے ہاتھ پر بیعت کی تھی۔ محسن فانی بزی کے متعلق لکھتا ہے:
"بقید ہیچ دین و آئین بازنہ بستہ با بُت و بُت خانہ آشنا است، از مسجد بیگانہ نیست۔"[۱۳]
خود مُلّا شاہ بدخشی بھی اسی طرح کے خیالات رکھتے تھے۔ دارا شکوہ نے ان کے یہ اشعار اپنی مشہور تصنیف "حسنات العارفین" میں نقل کیے ہیں:

روشنیِ کفرِ ما ظلمتِ اسلام سوخت — تا چہ زند فتنہا سر گراز پائی ما
رشتۂ تسبیح ما رشتۂ زناز شد — رہ سوی میخانہ داد مرشدِ دانائی ما[۱۴]

مُلّا شاہ بدخشی کی یہ رباعی ان کے خیالات کی بہترین عکاسی کرتی ہے:

آن را کہ بجاست بر سرِ ایمان جنگ — از مومن و از ایمان من او را صد ننگ
مومن نشود تا کہ برابر نشود — با بانگِ نماز بانگِ ناقوسِ فرنگ[۱۵]

دارا شکوہ مُلّا شاہ کا بڑا مخلص مرید تھا اور یہ بات ہماری سمجھ میں نہیں آتی کہ وہ ایک ایسے شخص سے، جو کفر اور اسلام میں کوئی تمیز روا نہیں رکھتا، کیا حاصل کرنا چاہتا ہے۔
مُلّا شاہ کا یہ شعر ان کے اکثر سوانح نگاروں نے نقل کیا ہے:

پنجہ در پنجۂ خدا دارم — من چہ پروائے مصطفٰی دارم[۱۶]

اگر یہ شعر واقعی انہی کا ہے تو پھر ہمیں یہ کہنے میں کوئی باک نہیں کہ مُلّا شاہ اسلام کی حدود پھلانگ کر بہت دور نکل گئے تھے۔
دارا شکوہ کے مصاحبوں میں اس کے پرائیویٹ سیکریٹری چندربھان برہمن کا نام سرفہرست نظر آتا ہے۔ چندربھان ایک بہترین خطاط، انشاپرداز اور شاعر ہونے کے علاوہ تصوف میں بھی دلچسپی لینے لگا تھا۔ شاہجہان کا درباری مؤرخ محمد صالح کمبو اس کے متعلق لکھتا ہے:

---

۱۳ محسن فانی، دبستان مذاہب، مطبوعہ بمبئی ۱۸۷۵، ص ۱۳۸
۱۴ دارا شکوہ، حسنات العارفین، مطبوعہ دہلی ۱۸۹۲، ص ۳۲
۱۵ دارا شکوہ، سکینۃ الاولیا، مطبوعہ تہران ۱۹۶۵، ص ۲۰۳
۱۶ محمد طاہر نصر آبادی، تذکرہ، مطبوعہ تہران ۱۹۳۷، ص ۶۳

"اگرچہ بظاہر زنار بند است، اما سر از کفر بری تابد و ہر چند بصورت ہندو است، اما در معنی اسلام می زند۔"[17]

محسن فانی کا شمار بھی دارا شکوہ کے مقربین میں ہوتا ہے اور وہ خود کو مسلمان کہلانے کی بجائے "موحد" کہلانا پسند کرتا تھا۔[18] اسی طرح دارا شکوہ کے مصاحبوں میں شاہ محب اللہ الہ آبادی کا نام ہمارے صوفیوں کے حلقوں میں بڑی عزت اور احترام کے ساتھ لیا جاتا ہے۔ شاہ محب اللہ الہ آباد کے ایک نامور صوفی اور حضرت بابا فرید الدین گنج شکرؒ کی اولاد سے تھے۔ انھوں نے قرآن پاک کی تفسیر وحدت الوجود کے رنگ میں لکھی تھی جو راسخ العقیدہ مسلمانوں کی نظروں میں کھٹکتی تھی۔[19] حضرت شاہ غلام علی دہلویؒ نے شاہ محب اللہ الہ آبادی کو ہند کا سب سے بڑا وحدت الوجودی صوفی قرار دیا ہے۔[20] اسی طرح ڈاکٹر زبید احمد نے انھیں برصغیر کا ابن العربی کہا ہے۔

دارا شکوہ کو بگاڑنے میں سرمد نے بھی بڑا اہم کردار ادا کیا ہے۔ سرمد آرمینیہ کا باشندہ اور نسلاً یہودی تھا، بعد ازاں اس نے اسلام قبول کر لیا اور ٹھٹھہ چلا آیا۔ ٹھٹھہ میں قیام کے دوران اس پر وحدت الوجود کا غلبہ ہوا تو وہ ایک نو عمر ہندو لڑکے ابھے چند پر عاشق ہو گیا اور جب تک ابھے چند کے باپ نے اسے سرمد کے حوالے نہیں کر دیا، اس وقت تک وہ اس کے دروازے سے نہیں اٹھا۔ کچھ عرصہ بعد سرمد ٹھٹھہ سے دہلی چلا آیا جہاں دارا شکوہ نے اسے ہاتھوں ہاتھ لیا اور اس کی گزر بسر کے لیے وظیفہ مقرر کر دیا۔[21] سرمد وحدتِ ادیان پر کامل یقین رکھتا تھا۔ ابھے چند کا یہ شعر سرمد کے خیالات کی بڑی حد تک عکاسی کرتا ہے:[22]

ہم مطیع فرقانم و ہم کشیش و رہبانم ربی یہودانم، کافرم، مسلمانم

---

17. محمد صالح، عملِ صالح، مطبوعہ کلکتہ ۱۹۳۹، ج ۳، ص ۴۲۴
18. محمد افضل سرخوش، کلمات الشعراء، مطبوعہ لاہور ۱۹۴۲، ص ۸۵
19. زبید احمد، کنٹری بیوشن آف انڈیا ٹو عربک لٹریچر۔ مخطوطہ لندن یونیورسٹی لائبریری، و ۱۸۱/۱
20. شاہ غلام علی، مکتوباتِ شاہ غلام علی، مطبوعہ مدراس ۱۹۱۶، ص ۴۴۳۔
21. محمد شفیع وارد، مرآۃ واردات، مخطوطہ برٹش میوزیم لندن، ایڈیشنل ۶۵۷۹، ورق ۹۰ ب
22. محسن فانی۔ کتاب مذکورہ ص ۱۹۵۔

دارا شکوہ سرمد کا بڑا معتقد تھا اور اس سے اکثر ملتا رہتا تھا۔ ہمارے خیال میں دارا شکوہ کو راہِ راست سے ہٹا کر وحدتِ ادیان کا علمبردار بنانے میں سرمد کا بڑا ہاتھ تھا۔

مسلکِ صلحِ کُل کا علمبردار ہونے کی حیثیت سے دارا شکوہ کے تعلقات سکھوں کے گورو ہر رائے کے ساتھ بڑے خوشگوار تھے۔ جب دارا شکوہ اورنگ زیب کے مقابلے میں شکست کھا کر پنجاب کی طرف بھاگا تو اثنائے سفر میں وہ گورو ہر رائے سے ملا اور اس موقع پر گورو جی نے اس کے جھنڈوں کی سرفرازی کے لیے دعا کی[۲۳]

وسیع المشرب اور آزاد خیال صوفیوں کی صحبت میں رہتے ہوئے دارا شکوہ بھی وسیع المشرب اور آزاد خیال ہو گیا اور وہ اسلام کی حدود پھلانگ کر حق کی تلاش میں بہت دور نکل گیا۔

اسی دوران میں دارا شکوہ نے یہودیوں اور ہندوؤں کی مذہبی کتابوں کا مطالعہ شروع کیا۔ اس کے یہودی نژاد نومسلم مصاحب سرمد نے اسے یہودیوں کی کتابیں سمجھنے میں مدد دی تو برہمنوں نے اس کی خاطر ہندوؤں کی مذہبی کتابوں کے فارسی میں ترجمے کیے۔ ادھر صوفیوں کی صحبت میں رہتے ہوئے دارا شکوہ صحیح معنوں میں ایک صوفی بن گیا اور وہ ایک ایسے مقام پر پہنچ گیا جہاں اس نے بڑے فخر کے ساتھ یہ اعلان کیا :

الصوفی لا مذھب لہٗ

شاہ محب اللہ، شاہ دلربا، سرمد اور مُلّا شاہ بدخشی جیسے وحدت الوجودی صوفیوں کے ساتھ جنھیں وہ "طالبانِ صدق" کے لقب سے یاد کرتا ہے[۲۴] میل جول رکھنے سے دارا شکوہ وحدت الوجود کا علمبردار بن گیا۔ ۱۰۶۲ھ میں اس نے وحدت الوجود کے رنگ میں طریقۃ الحقیقت قلمبند کی۔ اس کتاب کا تصوف کی کتابوں میں بڑا اونچا مقام ہے اور اگر کوئی شخص نظریۂ وحدت الوجود کا مطالعہ کرنا چاہے تو اس کے لیے طریقۃ الحقیقت کا مطالعہ ناگزیر ہے۔ اس کتاب کا آغاز یوں ہوتا ہے :

---

۲۳ ظہیر الدین فاروقی، اورنگ زیب اینڈ ہز ٹائمز، بمبئی، ص ۱۹۳۵، ص ۲۴۹۔

۲۴ دارا شکوہ، حسنات العارفین، مطبوعہ دہلی ۱۸۹۲، ص ۳۶۔

درکعبہ و سومنات افسانہ توئی ، درصومعہ و خرابات توئی ،
شمع و پروانہ ، بادہ و پیمانہ ، عاقل و دیوانہ ، آشنا و بیگانہ :

رباعی

درکعبہ و سومنات افسانہ توئی در ہر منزل ، عاشق دیوانہ توئی
خودگل شدہ و بلبل شیدائی برشمع جمالِ خویش پروانہ توئی[۲۵]

اس کتاب میں داراشکوہ نے راہِ سلوک میں پیش آنے والے تیس مرحلوں کا ذکر کیا ہے جہاں سے ایک سالک کا گزر ہوتا ہے۔

۱۰۵۶ھ میں داراشکوہ نے اپنی توجہ ویدانت کے مطالعہ کی طرف مبذول کی اور یہی سال اس کی زندگی میں ایک اہم موڑ کی حیثیت رکھتا ہے۔ اس نے سنسکرت کا مطالعہ کیا اور ہندوؤں کی مذہبی کتابیں پڑھنے کے بعد وہ عالمی بھائی چارے کا علمبردار بن گیا۔[۲۶] داراشکوہ وحدت الوجود اور ویدانت کے مطالعہ کے بعد اس نتیجہ پر پہنچا کہ ہندوؤں کے قدیم فلسفہ کا اسلامی توحید کے ساتھ بڑا گہرا تعلق ہے۔[۲۷] ۱۰۶۲ھ میں داراشکوہ نے حسنات العارفین المعروف بہ شطحیات تصنیف کی۔ اپنی اس تصنیف میں داراشکوہ نے یہ بات واضح کرنے کی بڑی کوشش کی ہے کہ وہ تصوف میں ایسے اونچے مقام پر پہنچ چکا ہے جہاں اس کے لیے کفر و اسلام ، الحاد و ایمان ، نور و نار ، خیر و شر ظلمت و ضیا اور عابد و معبود میں کوئی امتیاز باقی نہیں رہ جاتا۔ علامہ نجیب اشرف کا خیال ہے کہ داراشکوہ نے حسنات العارفین لکھ کر اپنا راز فاش کر دیا ہے۔[۲۸]

حسنات العارفین کا دیباچہ پڑھنے سے یہ مترشح ہوتا ہے کہ راسخ العقیدہ مسلمان ، داراشکوہ کو ملحد اور کافر سمجھنے لگے تھے اور وہ بھی علمائے کرام کو دجال ، فرعون اور ابوجہل

۲۵ھ داراشکوہ ، طریقۃ الحقیقت ، مطبوعہ گوجرانوالہ ۱۸۹۵ ، ص ۱۔
۲۶ھ حسرت ، داراشکوہ ، لائف اینڈ ورکس ، الہ آباد ۱۹۵۳ ، ص ۱۲ ، ۱۳ ۲۷ھ ایضاً ، ص ۱۵۔
۲۸ھ نجیب اشرف ، مقدمہ رقعات عالمگیری ، مطبوعہ اعظم گڑھ ، ۱۹۳۰ ، ص ۲۵۷۔

کے القاب سے یاد کرنے لگا تھا۔ دارا شکوہ کی ملحدانہ تحریریں پڑھ کر جب علمائے کرام نے صدائے احتجاج بلند کی تو دارا شکوہ نے اپنی صفائی میں کہا:

"از روی وجد و ذوق اکثر کلمات بلند حقائق و معارف سر بر می زد و پست فطرتان دون ہمت و زاہدان خشک بے حلاوت از کوتاہ بینی در صدد طعن و تکفیر و انکار می شدند۔ بنا بران خاطر این فقیر رسید کہ ...... شطحیات ...... جمع نماید تا حجت قاطع و برہان ساطع بر دجالۂ عیسیٰ نفسان و فراعنہ موسیٰ صفتان و ابوجہلان محمدی مشربان باشد"[۲۹]

دارا شکوہ کی اس تحریر کو پڑھ کر یہ خیال ہوتا ہے کہ وہ بھی اپنے "جد بزرگوار" اکبر کی طرح "محمدی المشرب"، علما کا مخالف ہو چکا تھا۔ علامہ اقبالؒ نے کیا خوب کہا ہے:

تخم الحادے کہ اکبر پرورید باز اندر فطرتِ دارا دمید[۳۰]

جب دارا شکوہ حسنات العارفین کی آخری سطریں لکھ رہا تھا تو اس کے خوشامدی مصاحبوں نے اس سے کہا کہ بڑے بڑے صوفیائے کرام کے منہ سے عالم وجد و سکر میں شطحیات نکلی ہیں، آپ بھی تو اس میدان میں کسی سے پیچھے نہیں ہیں، لہٰذا آپ کو بھی اپنی شطحیات اس کتاب میں درج کرنی چاہئیں۔ اپنے مصاحبوں کے مطالبے پر دارا شکوہ نے کہا کہ گزشتہ زمانے کے بزرگوں کی تمام شطحیات اس کی اپنی شطحیات ہیں[۳۱]

جس سال دارا شکوہ نے حسنات العارفین لکھی اسی سال اسے قندھار میں ایرانیوں کے مقابلے میں شکست کا سامنا کرنا پڑا۔ اس نے اپنی شکست اور فوجی کمزوری کو جس انداز سے چھپانے کی کوشش کی ہے اس کا مطالعہ اس کے مذہبی رجحانات کو سمجھنے کے لیے بے حد ضروری ہے۔

شاہجہان نے ۱۰۵۹ھ (۱۶۴۹ء) اور ۱۰۶۲ھ (۱۶۵۲ء) میں دو بار قندھار فتح کرنے کی کوشش کی لیکن دونوں بار اس کی افواج کو ناکامی کا سامنا کرنا پڑا۔ شاہجہان ہر قیمت پر اس داغِ ناکامی

۲۹؎ دارا شکوہ، حسنات العارفین، مطبوعہ دہلی ۱۸۹۲، ص ۲۔

۳۰؎ اقبال، کلیاتِ اقبال، مطبوعہ لاہور ۱۹۷۳، ص ۹۸۔

۳۱؎ دارا شکوہ، حسنات العارفین، مطبوعہ دہلی ۱۸۹۲، ص ۳۶۔

کو اپنے دامن سے دھونا چاہتا تھا کہ داراشکوہ نے اپنے حریفوں کے مقابلے میں اپنا وقار بڑھانے کے لیے ۱۰۶۳ھ-۱۶۵۳ء میں قندھار کی مہم کے لیے اپنی خدمات پیش کیں اور شاہجہان نے اسے ایک لشکرِ جرار کے ساتھ قندھار کی طرف روانہ کیا۔

داراشکوہ نے ۲۳ اپریل ۱۶۵۳ء کو قندھار کا محاصرہ شروع کیا جو پانچ ماہ سے زائد عرصہ تک جاری رہا۔ اس دوران میں مغلوں نے قندھار فتح کرنے کی بڑی کوشش کی لیکن ان کی کوئی چال کامیاب نہ ہوسکی اور داراشکوہ نے تنگ آکر واپسی کا ارادہ کر لیا۔

ایک دن علی الصبح داراشکوہ نے اپنے مشیر جعفر خان کو بلا کر کہا کہ گزشتہ شب خواب میں قندھار کے مشہور ولی بابا حسن ابدال نے مجھ سے کہا کہ یہ بڑے تعجب کی بات ہے کہ تم ایسا حق شناس، حقیقت دان اور عارف باللہ خواہ مخواہ یہاں اپنا وقت ضائع کر رہا ہے۔ اس سال مشیت ایزدی سے قندھار فتح نہیں ہوگا، اس لیے بے فائدہ تکلیف اٹھانے اور مسلمانوں کا بلاوجہ خون بہانے سے گریز کرو اور ہندوستان واپس لوٹ جاؤ۔[۳۲]

داراشکوہ کی باتیں سن کر جعفر خاں نے عرض کیا کہ پریشانی کے دنوں کے خوابوں پر اعتبار نہیں کرنا چاہیے۔ جعفر خاں کی بات سنتے ہی داراشکوہ ناراض ہوگیا اور کہنے لگا "کیا تم میرے خوابوں کو عوام کے خوابوں کی طرح سمجھتے ہو؟ میرے خواب تو الہام ہیں۔" داراشکوہ کی باتیں سن کر جعفر خاں نے منت کی کہ وہ اس کا بنا بنایا کام خراب نہ کرے اور اب جب کہ فتح قریب ہے یوں محاصرہ اٹھا کر واپس نہ جائے۔ جعفر خاں نے شہزادے سے مزید ایک ہفتہ تک محاصرہ جاری رکھنے کی مہلت طلب کی لیکن داراشکوہ نے اُسے ایک دن سے زیادہ کی مہلت نہ دی۔[۳۳]

یہ عجیب بات ہے کہ داراشکوہ ۱۰۶۳ھ میں اپنے خوابوں کو الہام سمجھنے لگا تھا لیکن اس کے چار سال بعد جب وہ ساموگڑھ کے میدان میں اورنگ زیب اور مراد کے مقابلے کو نکلا تو اس وقت اُسے کوئی "الہام" نہیں ہوا اور نہ ہی کسی بزرگ نے اُسے خواب میں یہ بتایا کہ

---

۳۲ بدیع الزمان رشید خاں، لطائف اخبار، مخطوطہ انڈیا آفس لندن، ایتھے ۳۲۸، ورق ۲۵۲، الف، ب۔

۳۳ ایضاً، ورق ۲۵۲ الف۔

مسلمانوں کا خون ناحق نہ گراؤ کیونکہ "مشیت ایزدی" یہی ہے کہ اُسے اس جنگ میں شکست ہوگی اس لیے اُسے جنگ شروع ہونے سے پیشتر ہی میدان چھوڑ جانا چاہیے۔

ہندو جوگیوں اور خاص طور پر بابا لال داس کے ساتھ میل جول رکھنے سے دارا شکوہ اس نتیجے پر پہنچا کہ حقیقت پر کسی ایک مذہب کی اجارہ داری نہیں۔ اس خیال کے ذہن میں پختہ ہوتے ہی دارا شکوہ نے ۱۰۶۵ھ میں "مجمع البحرین" لکھی جس میں اس نے اس خیال کا اظہار کیا کہ تصوف کے اعلیٰ مدارج میں کفر اور اسلام میں کوئی فرق باقی نہیں رہ جاتا۔[۳۴] دارا شکوہ کا یہ خیال تھا کہ کفر اور اسلام ایک ہی دریا کے دو دھارے ہیں جو آگے جا کر مل جاتے ہیں۔ مشہور مؤرخ سر جادو ناتھ سرکار رقمطراز ہے کہ مجمع البحرین کی تصنیف سے دارا شکوہ کا یہ مقصد تھا کہ اسے کوئی ایسا مقام مل جائے جہاں ہند کے دو عظیم مذاہب میں اُسے قدر مشترک مل جائے۔[۳۵] ہمارے خیال میں دارا شکوہ نہ صرف راسخ الاعتقادی سے دور ہٹ گیا بلکہ اپنے پیش رو ولی کبیر، نانک، دھنہ، داود، نام دیو اور اکبر کی طرح اس نے ہندومت اور اسلام کے درمیان ایک نیا راستہ تلاش کر لیا۔ مشہور مستشرق پروفیسر آربری کا یہ خیال ہے کہ اس نے ہندوستان کے دو بڑے مذاہب میں سمجھوتہ کرنے کی ہر ممکن کوشش کی ہے۔[۳۶]

دارا شکوہ محض ایک صوفی یا تصوف کا عالم ہی نہیں تھا بلکہ وہ شاہجہان کا ولی عہد بھی تھا اکبر کے عہد میں اسلام اور مسلمانوں پر جو گزر چکی تھی اس کے تدارک کے لیے حضرت مجدد الف ثانیؒ کو باقاعدہ ایک تحریک چلانا پڑی اور بالآخر وہ اکبر کی سیکولر ریاست کو دار الاسلام بنانے میں کامیاب ہوگئے۔ حضرت مجدد الف ثانی کی تحریک شاہجہان کے عہد میں ان کے صاحبزادوں اور خلفا کی کوششوں سے جاری تھی، اس لیے حضرت مجدد الف ثانیؒ کے فرزند اور جانشین خواجہ محمد معصومؒ اور اُن کے راسخ العقیدہ ساتھیوں کو اس بات کا صحیح اندازہ ہو گیا تھا کہ اگر خدانخواستہ

---

۳۴ محفوظ الحق۔ کتاب مذکور، مقدمہ، ص ۲۷۔

۳۵ جادو ناتھ سرکار۔ ہسٹری آف اورنگ زیب، کلکتہ، ۱۹۱۲ء، ص ۲۹۷۔

۳۶ آربیری، صوفزم، لندن ۱۹۵۰ء، ص ۱۱۹۔

دارا شکوہ حصولِ تخت میں کامیاب ہو گیا تو ان کا کیا دھرا خاک میں مل جائے گا۔ اس لیے انھوں نے "شہزادۂ دین پناہ" اورنگ زیب کی حمایت کا اعلان کیا۔

دارا شکوہ یہ سمجھتا تھا کہ وہ ایک کامل صوفی ہے جسے خدا کی معرفت حاصل ہو چکی ہے۔ اس کے مصاحب اس کا دل خوش کرنے کے لیے اُسے "خدا آگاہ" کہہ کر مخاطب کیا کرتے تھے[۳۷]۔ دارا شکوہ کا یہ بھی خیال تھا کہ اس جیسے خدا رسیدہ شخص کے لیے صوم و صلوٰۃ کی پابندی ضروری نہیں کیونکہ یہ چیزیں محض مبتدیوں کے لیے ہیں۔ اس خیال کے ذہن میں پختہ ہوتے ہی اس نے نماز اور روزے ترک کر دیے[۳۸]۔

۱۰۶۶ھ میں دارا شکوہ نے کفر و الحاد کی طرف ایک قدم اور بڑھایا اور اس نے جوگ باشسشٹ کا فارسی میں ترجمہ کروایا۔ اس کتاب کا ترجمہ اگرچہ اکبر کے عہد میں ہو چکا تھا لیکن دارا شکوہ کو وہ ترجمہ پسند نہیں تھا اور اس کی رائے میں کئی مقامات تشریح طلب رہ گئے تھے[۳۹]، اس لیے اس نے برہمنوں کی مدد سے جوگ باشسشٹ کا دوبارہ ترجمہ کروایا۔

جوگ باشسشٹ کے دیباچہ میں دارا شکوہ لکھتا ہے کہ ایک رات خواب میں اس کی ملاقات سری رام چندر اور جوگ باشسشٹ سے ہوئی اور مؤخر الذکر بزرگ اس سے مل کر بے حد خوش ہوا اور اس نے سری رام چندر سے کہا کہ دارا شکوہ سے معانقہ کرو کیونکہ "صدق طلب" میں وہ دونوں (رام چندر اور دارا شکوہ) بھائی ہیں۔ سری رام چندر نے جوگ باشسشٹ کے کہنے پر دارا شکوہ سے معانقہ کیا اور اس کے حال پر بڑی نوازش کی۔ سری رام چندر نے جوگ باشسشٹ کو تھوڑی سی مٹھائی دی جو اس نے دارا شکوہ کو کھلائی[۴۰]۔ اگلی صبح جب دارا شکوہ بیدار ہوا تو اس نے برہمنوں کو بلا کر انھیں جوگ باشسشٹ کا ترجمہ کرنے کا حکم دیا۔

اس واقعہ کے ایک سال بعد ۱۰۶۷ھ میں دارا شکوہ نے برہمنوں کی مدد سے "اپنشد" کا

۳۷ھ جوگ باشسشٹ، مخطوطہ انڈیا آفس لندن، ایتھے ۱۹۷۳، ورق ۲ ب

۳۸ھ سرکار۔ کتاب مذکور، ص ۲۹۹۔

۳۹ھ جوگ باشسشٹ، مخطوطہ مذکور، ص ۴۰۵۔

۴۰ھ ایضاً، ورق ۲ ب

سِتّرِ اکبر کے عنوان سے فارسی میں ترجمہ کروایا۔ سترِ اکبر کے دیباچہ میں دارا شکوہ رقمطراز ہے کہ اپنشد دنیا کی قدیم ترین الہامی کتاب ہے اور یہی وہ کتاب ہے جس کا ذکر قرآن پاک میں "کتابِ مکنون" کے نام سے آیا ہے۔[41] اسی دیباچہ میں دارا شکوہ نے اپنشد کو "گنجِ توحید" بتایا ہے۔ وہی شہزادہ جو کبھی خود کو "حنفی قادری" لکھنے میں فخر محسوس کرتا تھا وہی شہزادہ اب خود کو "حق جو" کہلانے میں فخر محسوس کرنے لگا تھا۔[42]

۱۹۰۶ میں ندوۃ العلماء کے سالانہ اجلاس کے موقع پر بنارس میں قلمی کتابوں کی ایک عظیم الشان نمائش منعقد ہوئی۔ اس نمائش میں دارا شکوہ کی تصانیف بھی بڑے اہتمام کے ساتھ رکھی گئی تھیں۔[43] اس موقع پر مولانا شبلی نعمانی کو پہلی بار "سترِ اکبر" دیکھنے کا اتفاق ہوا اور انھوں نے اس کتاب کا دیباچہ پڑھ کر کہا:

"عالمگیر نے دارا شکوہ کے مقابلہ کا جب قصد کیا تو اس کا یہ سبب ظاہر کیا کہ دارا شکوہ بدعقیدہ اور بددین ہے اس لیے اگر وہ ہندوستان کا فرمانروا ہوا تو ملک میں بددینی پھیل جائے گی۔ تمام مورخوں کا خیال ہے کہ یہ محض ایک فریب تھا، نہ دارا شکوہ بے دین تھا اور نہ عالمگیر کی مخالفت کا یہ سبب تھا۔ دلوں کا حال خدا کو معلوم، لیکن اس کتاب کے دیباچہ سے صاف ظاہر ہوتا ہے کہ دارا شکوہ بالکل ہندو بن گیا تھا اور کچھ شبہ نہیں کہ اگر وہ تختِ شاہی پر متمکن ہو جاتا تو اسلامی شعار اور خصوصیات بالکل مٹ جاتے۔"[44]

برصغیر پاک و ہند کے مشہور عالم مولانا سعید احمد اکبر آبادی اپنی گرانقدر تصنیف "مسلمانوں کا عروج و زوال" میں دارا شکوہ کے مذہبی عقاید پر بحث کرتے ہوئے لکھتے ہیں:

"یہ ظاہر ہے کہ اگر دارا شکوہ کو تخت پر قابض ہونے کا موقع مل جاتا تو عہدِ اکبری کی لادینیت

۴۱ہ دارا شکوہ، سرِ اکبر، مطبوعہ بنارس ۱۹۰۹، ص ۲

اِنَّهٗ لَقُرْاٰنٌ كَرِيْمٌ ۙ فِيْ كِتٰبٍ مَّكْنُوْنٍ ۙ لَّا يَمَسُّهٗۤ اِلَّا الْمُطَهَّرُوْنَ ۝ (واقعہ)

۴۲ہ ایضاً، ص ۱، کتاب مذکور ۴۳ہ صباح الدین عبدالرحمٰن، کتاب مذکور، ص ۵۴

۴۴ہ شبلی نعمانی، مقالاتِ شبلی، مطبوعہ اعظم گڑھ ۱۹۳۸، ج ۷، ص ۱۰۱۔

دوبارہ زندہ ہو جاتی اور پھر خدا ہی بہتر جانتا ہے کہ اس ملک میں اسلام کا کیا حشر ہوتا"[۴۵]

اورنگ زیب نے دارا شکوہ کی شکست کے بعد شاہ جہان کی ناراضگی دور کرنے اور اپنی صفائی پیش کرنے کی خاطر اسے ایک خط لکھا، جس میں اور باتوں کے علاوہ یہ بھی مرقوم تھا۔

خدانخواستہ اگر بحمایت آنحضرت اندیشہ آن بدکیش از قوۃ بفعل می آمد و عالم از ظلمت کفر و عدوان تاریک گشتہ کار شرع شریف از رونق می افتاد۔ از روزے جزا از جواب برآمدن بغایت صعب و دشوار باشد[۴۶]

خدانخواستہ اگر جناب کی حمایت اور اپنی قوت سے وہ بدکیش کامیاب ہو جاتا تو دنیا کفر کے اندھیرے اور ظلم سے تاریک ہو جاتی اور شرع شریف کی رونق جاتی رہتی۔ ان حالات میں قیامت کے روز آپ کے لیے جواب دینا مشکل ہو جاتا۔

دارا شکوہ کے ملحدانہ عقائد نے اُسے راسخ العقیدہ مسلمانوں کی حمایت سے محروم کر دیا اور اس کا فائدہ اس کے بھائیوں کو پہنچا[۴۷] دارا شکوہ کا سب سے چھوٹا بھائی مراد بخش، اورنگ زیب کے نام ایک خط میں لکھتا ہے کہ دارا شکوہ جیسے ملحد کا وجود دین و دولت کے لیے سب سے بڑی بیماری ہے، اس لیے اس کا خاتمہ وقت کا اہم ترین تقاضا ہے[۴۸]

دارا شکوہ کے خیالات سے مذہبی حلقوں میں تشویش پیدا ہو گئی اور علمائے کرام اس صورت حال سے نمٹنے کے لیے پوری طرح سے تیار ہو گئے۔ شاہ جہان کے بیٹوں میں جنگ تخت نشینی کے آغاز سے تین سال قبل برصغیر کے ایک نامور عالم شیخ برہان نے دارا شکوہ کے خلاف ایک فتویٰ جاری کیا[۴۹] جس سے مسلمان چوکنے ہو گئے۔

---

۴۵ سعید احمد اکبر آبادی، مسلمانوں کا عروج و زوال، مطبوعہ دہلی ۱۹۴۷، ص ۳۲۰۔

۴۶ ابوالفتح، آداب عالمگیری، مخطوطہ انڈیا آفس لندن، ایتھے ۳۷۱، ص ۲۶۳ ب

۴۷ ظہیر الدین صدیقی، اسلام دی اسٹریٹ پاتھ، نیویارک، ۶-۳۰۵۔

۴۸ فیاض القوانین، مخطوطہ برٹش میوزیم لندن، اورینٹل ۹۶۱۷، ۱۴، ورق ۵۶ الف

۴۹ آئی۔ ایچ۔ غوری۔ دارا آف سکیشن بٹوین دی سنز آف شاہ جہان، لاہور، ص ۱۷۔

جب دارا شکوہ کو یہ معلوم ہوا کہ اس کے خلاف کفر کے فتوے جاری ہو رہے ہیں تو اس نے مفتیوں کو مخاطب کر کے کہا:

کافر گفتی تو از پی آزارم ——— این حرف ترا راست ہمی پندارم
پستی و بلندی ہمہ شد ہموارم ——— من مذہب ہفتاد و دو ملت دارم[۵۰]

سرِ اکبر کی تکمیل کے بعد دارا شکوہ نے بھگوت گیتا کا فارسی میں ترجمہ کروایا۔ اگرچہ اکبر کے عہد میں ابوالفضل اس کتاب کا ترجمہ کر چکا تھا لیکن دارا شکوہ کو وہ ترجمہ ناپسند تھا۔ اس لیے اس نے دوبارہ اس کا ترجمہ کروایا۔ غالباً انہی ایام میں دارا شکوہ نے ایک انگشتری بنوائی تھی جس پر سنسکرت زبان میں (خدا کا نام) प्रभु (پربھو) کندہ تھا۔[۵۱]

دارا شکوہ کی گمراہی اس حد تک بڑھ چکی تھی کہ وہ مندروں کی تعمیر اور تزئین میں بھی باقاعدہ دلچسپی لینے لگا تھا۔ مشہور مورخ جادو ناتھ سرکار رقمطراز ہے کہ دارا شکوہ نے متھرا میں کیشورائے کے مندر میں پتھر کے بنے ہوئے ستون نصب کرائے تھے جن پر نقش و نگار کندہ تھے۔[۵۲]

دارا شکوہ اپنے باپ کا نائب سمجھا جاتا تھا اور شاہجہان نے اس کے لیے اپنے دربار میں نامور امرا کے درمیان ایک نشست مخصوص کر دی تھی۔[۵۳] اس کے بیٹوں کے پاس اپنے چچاؤں سے بھی بڑے منصب تھے۔ اس سے یہ ظاہر ہوتا ہے کہ شاہجہان کی نظروں میں اس کا بڑا اونچا مقام تھا۔ جب ۷؍ذوالحجہ ۱۰۶۷ھ کو شاہ جہان بیمار پڑا تو دارا شکوہ نے اس کی زندگی سے مایوس ہو کر عنانِ اقتدار سنبھال لی اور باپ کی علالت کی خبروں پر سنسر لگا دیا۔ اس سے اس کے بھائیوں کو اس بات کا یقین ہو گیا کہ شاہجہان کا انتقال ہو چکا ہے۔

شاہ جہان کے بیٹوں میں سب سے پہلے شہزادہ شجاع نے بنگال میں اپنے بادشاہ ہونے کا اعلان کیا۔[۵۴]

---

۵۰ حسرت - کتاب مذکور، ص ۱۴۶۔ ۵۱ محمد کاظم، عالمگیر نامہ، مطبوعہ کلکتہ ۱۸۶۸، ص ۳۵

۵۲ سرکار، کتاب مذکور، ج ۳، ص ۳۳۳۔

۵۳ برنیر - ٹریولز اِن دی مغل امپائر، لندن، ۱۹۱۴، ص ۱۵۔

۵۴ غلام حسین سلیم، ریاض السلاطین، مطبوعہ کلکتہ ۱۸۹۰، ص ۲۱۰۔

شجاع بنگال سے ایک بڑی فوج کے ساتھ دارالحکومت کی طرف بڑھا لیکن بنارس کے قریب داراشکوہ کے فرزند سلیمان شکوہ اور راجہ جے سنگھ نے اسے شکست دے کر اس کے عزائم کو خاک میں ملا دیا۔

مراد بخش شاہ جہان کا سب سے چھوٹا بیٹا گجرات کا گورنر تھا اس نے بھی اپنے بادشاہ ہونے کا اعلان کیا اور اپنے نام کے سکے مضروب کروائے جن پر "ابو المظفر مروج الدین" کا لقب منقوش تھا۔[۵۵] اورنگ زیب نے اس موقع پر بڑی دور اندیشی اور تدبر کا ثبوت دیتے ہوئے مراد بخش کو اپنے ساتھ ملا لیا اور ان دونوں بھائیوں نے مل کر داراشکوہ کو شکست دی۔

اسی اثنا میں شاہ جہان صحت یاب ہو چکا تھا اور اس نے مراد اور اورنگ زیب میں اختلافات پیدا کرانے کی بڑی کوشش کی۔ اتفاق سے اس کا ایک خط اورنگ زیب کے ہاتھ لگ گیا اور اس نے اپنے جرنیلوں کے مشورہ سے مراد کو گرفتار کر کے قلعہ گوالیار میں نظر بند کر دیا اور بعد ازاں اُسے سید علی نقی کے قتل کے قصاص میں اس کے بیٹے کی درخواست پر قتل کروا دیا۔[۵۶]

داراشکوہ نے حصولِ تخت کے لیے دوبارہ کوشش کی لیکن اس بار پھر اسے شکست کا منہ دیکھنا پڑا۔ داراشکوہ دیورائے کی جنگ میں شکست کھا کر ایران کی جانب روانہ ہوا لیکن دادر کے قریب ملک جیون نے اسے گرفتار کر کے اورنگ زیب کے حوالے کر دیا اور اس نے علمائے سے فتویٰ لے کر اسے الحاد و بے دینی کے جرم میں مروا ڈالا۔ منوچی اور برنیر کا شمار داراشکوہ کے طرف داروں میں ہوتا ہے، اس کے باوجود یہ دونوں اس بات پر متفق ہیں کہ داراشکوہ کو بے دینی، الحاد اور بت پرستی کے جرم میں سزائے موت دی گئی تھی۔[۵۷] اورنگ زیب نے داراشکوہ کو بے دینی اور الحاد کی وہی سزا دی جو علمائے کرام نے حسین بن

---

۵۵ وائٹ ہیڈ۔ کیٹلاگ آف کوئنز اِن دی پنجاب میوزیم لاہور، آکسفورڈ، ۱۹۱۴، ص ۲۱۲۔

۵۶ خافی خان، منتخب اللباب، مطبوعہ کلکتہ ۱۸۷۴، ج ۲، ص ۱۵۶۔

۵۷ (۱) منوچی۔ اسٹوریا دو موگور، لندن ۱۹۰۷ء، ج ۱، ص ۳۵۶۔

(۲) برنیر۔ کتاب مذکور، ص ۲۷۔

منصور حلاج، شہاب الدین مقتول اور سرمد کو دی تھی۔ اورنگ زیب کے مخالفین دارا شکوہ کے قتل کو ناقابل معافی جرم سمجھتے ہیں لیکن وہ یہ بات بھول جاتے ہیں کہ اگر دارا شکوہ کامیاب ہو جاتا تو وہ بھی اورنگ زیب کو زندہ نہ چھوڑتا۔

مشہور مؤرخ موجدار دارا شکوہ کی ناکامی پر تبصرہ کرتے ہوئے لکھتا ہے کہ اگر اس نے فلسفہ کی بجائے فنِ حرب کی طرف زیادہ توجہ دی ہوتی تو وہ یقیناً کامیاب ہو جاتا[۵۸] اس نے اپنا قیمتی وقت ہندوؤں کی مذہبی کتابوں کے ترجموں اور تصوف پر کتابیں لکھنے میں ضائع کیا حالانکہ اسے یہ چاہیے تھا کہ وہ زیادہ سے زیادہ توجہ انتظامی امور کی طرف دیتا۔ دارا شکوہ کا شاہجہان کے تخت پر اس کے سوا اور کوئی حق نہیں بنتا کہ وہ شاہجہان کا سب سے بڑا بیٹا تھا ورنہ اس میں کوئی ایسی صفت نہ تھی جو اسے تخت کا حق دار بناتی۔ دارا شکوہ کا سوانح نگار بکرماجیت حسرت رقمطراز ہے کہ دارا شکوہ کبھی کبھی یہ شعر پڑھا کرتا تھا:

سلطنت سہل است خود را آشنائی فقر کن
قطرہ تا دریا تواند شد چرا گوہر شود[۵۹]

جہانگیر اور شاہجہان نے حضرت مجدد الف ثانیؒ کی تعلیمات سے متاثر ہو کر اپنی قلمرو میں متعدد اصطلاحات نافذ کی تھیں اور شاہجہان کے آخری ایام حکومت میں برّصغیر پاک و ہند کی فضا کافی حد تک درست ہو چکی تھی۔ اگرچہ اکبر کی لادینی ریاست پورے طور پر دار الاسلام نہیں بنی تھی لیکن وہ کافی حد تک اسلامی نظریات اور احکام کی ترویج کے لیے تیار ہو چکی تھی۔

جیسا کہ سبھی جانتے ہیں کہ جہانگیر راسخ العقیدہ امرا کی حمایت اور مدد سے تخت نشین ہوا تھا، اسی طرح شاہ جہان کو بھی اپنے عہد حکومت میں ان کی ہمدردیاں حاصل رہیں۔ شاہجہان کے آخری ایام حکومت میں برّصغیر کی فضا اس حد تک بدل چکی تھی کہ اس کے

---

۵۸ موجدار۔ قانون گو کی تصنیف دارا شکوہ (انگریزی) مطبوعہ کلکتہ کا مقدمہ، ص ۶۔۷۔

۵۹ بکرماجیت حسرت۔ کتاب مذکور، ص ۱۴۲

جانشین کے لیے راسخ العقیدہ مسلمانوں کی حمایت حاصل کرنا بے حد ضروری تھا۔ داراشکوہ اگرچہ خود کو شاہجہان کا ولی عہد سمجھتا تھا لیکن اس نے اپنے پردادا اکبر کے نقش قدم پر چلتے ہوئے راسخ العقیدہ مسلمانوں کی حمایت حاصل کرنے کی طرف کوئی توجہ نہ دی۔ داراشکوہ کے مذہبی خیالات اکبر کے ملحدانہ خیالات سے کسی طرح بھی کم نہ تھے اور اگر وہ حصولِ تخت میں کامیاب ہو جاتا تو راسخ العقیدہ مسلمانوں کا گزشتہ نصف صدی میں کیا ہوا کام خاک میں مل جاتا۔ داراشکوہ نے راسخ العقیدہ مسلمانوں کو درخورِ اعتنا نہ سمجھا اور انھوں نے بھی داراشکوہ کی کوئی پرواہ نہ کی اور اس کے مخالف اورنگ زیب کی حمایت پر کمربستہ ہو گئے۔ راسخ العقیدہ مسلمانوں کی حمایت سے محروم ہو جانے کے بعد داراشکوہ نے راجپوتوں کی مدد پر تکیہ کیا اور بالآخر اسے ناکامی کا منہ دیکھنا پڑا۔ راسخ العقیدہ مسلمانوں نے یہ ثابت کر دکھایا کہ وہ جس کو چاہیں ہندوستان کے تخت پر بٹھا سکتے ہیں۔

کلامِ حکیم

مرتبہ: ڈاکٹر افتخار احمد صدیقی

یہ ڈاکٹر خلیفہ عبدالحکیم مرحوم کا مجموعۂ کلام ہے۔ خلیفہ صاحب کو شعرگوئی کا ذوق فطری طور پر ودیعت ہوا تھا اور انھوں نے غزل، نظم، قطعہ، رباعی وغیرہ مختلف اصنافِ سخن پر طبع آزمائی کر کے اپنی شعری صلاحیتوں کا سکہ بٹھا دیا۔

اس مجموعے میں ان کے متوازن و متحرک ذہن کے بہت سے گوشے بے نقاب نظر آتے ہیں۔

قیمت: ۹/۵۰ روپے

ملنے کا پتہ

ادارۂ ثقافتِ اسلامیہ، کلب روڈ لاہور